عوامی شاعر۔۔۔۔زبیرالحسن غافل

سمیع الدین خلیق
اسسٹنٹ پروفیسر،تلکا مانجھی یونیورسٹی، بھاگل پور

عوامی شاعر زبیرالحسن غافل کچھ عرصہ قبل ایک جج کے عہدے سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ان کے تعلیمی سفر میں اردو کہیں نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے ذاتی ذوق وشوق کی بنیاد پر زمانہ طالب علمی سے ہی اردو زبان میں کچھ اشعار وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے۔ ملازمت کے دوران چونکہ ان کا واسطہ لوگوں کے زندگی کے مسائل سے رہا ہے۔ایسی حالت میں انہوں نے زندگی کو قریب سے سمجھا۔ان کا شوق شعروشاعری کرنا ہی تھا اس لیے انہوں نے زندگی کو شاعری کے قلب میں اتارنا شروع کر دیا۔لیکن انہوں نے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کہ اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں کو ٹھیس نہ پہنچائیں اسی لیے انہوں نے اپنی شاعری میں شوخی کا مزاج بھی شامل کیا۔ان کی شاعری کو پڑھنے سے لگتا ہے کہ ان کے مزاج میں شوخی ہے۔وہ خوش اخلاق ہیں،شاید یہ ان کو ورثہ میں ملا ہے۔ان کی پوری شاعری عوامی مسائل کے اردگرد ہی گھومتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اسی لیے انہیں عوامی شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔جس طرح نظیر اکبرآبادی کی شاعری میں عوامی مسائل ملتے ہیں اسی طرح ان کے اشعار میں بھی علاقائی اور عوامی مسائل ملتے ہیں۔

جہاں تک شعری اصناف کا تعلق ہے تو غافل غزلیں،نظمیں،قطعات اور ماہیے سب لکھتے ہیں۔وہ ان کی تشکیل وتخلیق میں مہارت بھی رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ ظریفانہ شاعری کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں لیکن سنجیدہ شاعری سے بھی انہیں گریز نہیں۔ظریفانہ شاعری میں بھی انہوں نے فن شاعری کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔شعر کی صحت اور شعریت کا پاس رکھا ہے۔دلکشی اور شگفتگی کا بھی

خیال رکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آج نکلا ہے حوصلہ دل کا
لے لیا بوسہ پائے قاتل کا

دیکھ کر میری رفعت پرواز
منہ ہوا زرد ماہ کامل کا

ایسی حالت ہوگئی سڑکوں کی اس سرکا میں
بیل گاڑی کا مزہ آنے لگا ہے کار میں

کیوں اسے لے جا رہے ہو تم ابھی سے ہسپتال
جان بچنے کی ابھی امید ہے بیمار میں

سارے دھندوں میں تو اب گھاٹا ہی گھاٹا ہے یہاں
کچھ منافع ہے تو بس اغوا کے کاروبار میں

زبیر الحسن غافل کی ظریفانہ شاعری میں طنز بھی ہے اور مزاح بھی۔ اس میں لطف بھی ہے اور نشتریت بھی۔ زبیر الحسن غافل کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری اپنے عہد کی ترجمانی کرتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو طنز و مزاح کے پیکر میں بڑی خوش اسلوبی اور فنی لطافت کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے دلی جذبات و احساسات، خیالات و محسوسات کو اپنی نظموں میں بیان کرتے ہیں۔'' ان کے اسلوب میں کہیں پھوہڑ پن نہیں۔ ایک سے ایک تلخ بات کہہ جاتے ہیں جس کا اثر کافی دیرپا ہوتا ہے۔ حساس دل کے مالک ہیں وہ عصری مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے طنزیہ انداز اور مزاحیہ شاعری کو ظریفانہ اسلوب میں پیش کر کے نہایت ہی اہم مسئلہ کو پیش کرنے کا مجاز رکھتے ہیں۔ ان کی مہذب مزاحیہ شاعری میں ظرافت کی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ وہ پردہ زدہ معاملات و مسائل سے پردہ اٹھانے کا کام بھی کرتے ہیں۔ سیاسی واقعات اور چارہ گھوٹالے جیسے واقعات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

یہ مویشی کے مسیحا یہ طبیبِ جانور
کھا گئے چارہ انہیں کا جن کے تھے یہ چارہ گر

زور سے اپنے قلم کے پہلے پھیلائی وبا!
پھر چکستا کے لئے مانگی حکومت سے دوا
جو دوائیں دی گئی تھیں جانور کے واسطے
ان کو بھی بازار میں یہ بیچ کر سب کھا گئے
پھر وبا میں مر گئے سارے کے سارے جانور
جن کو بانٹا تھا انہوں نے پہلے فرضی نام پر
ان غریبوں کو نیا اک جانور پھر سے ملے
اس لئے موٹی رقم بھیجی انہیں سرکار نے
پھر وہی ترکیب پہلے کی سی دہرائی گئی
یعنی فرضی نام پر ساری رقم کھائی گئی

زبیر الحسن غافل کی شاعری کا مطالعہ و محاسبہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ ان کی شاعری میں درد و کرب، رنج و الم اور دل کی المناکی کا اظہار بے باکی سے کیا ہے۔ وہ چاہے اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہو یا دنیا کی بے ڈھنگی چال کا مرثیہ۔ فسادات کے تذکرے ہوں یا انسانی دکھ درد کا المیہ۔ ان سب کے باوجود انہوں نے شعری لطافت اور حسن سخن کا لحاظ ضرور رکھا ہے۔ جو کچھ بھی لکھا ہے سنبھل سنبھل کے لکھا ہے۔ ان کی شاعری میں حقیقت نگاری کے ساتھ غور و فکر کی دعوت بھی ملتی ہے۔ تجربات اور مشاہدات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ خوبصورت شاعری کی جھلکیاں بھی جا بہ جا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مضامین کی تازہ کاری کا احساس بھی ہوتا ہے۔ سوز و گداز اور سادگی و پرکاری کے نقوش بھی عکس ریز ہیں۔ ان کی غزلوں کے اشعار میں جو رچا ہوا غم، گھائل زخموں کی ٹیسیں، ذہنی خلش اور کسک زیر تخلیق آئی ہیں ان کا تاثر اور تیور قابلِ داد ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بے وجہ بھی ان آنکھوں میں آجاتے ہیں آنسو
کیوں آپ مرا دیدۂ تر دیکھ کے چپ ہیں
ہم حق کی حمایت پہ تو آمادہ ہیں لیکن
نیزوں پہ لٹکتے ہوئے سر دیکھ کے چپ ہیں

شرم آنکھوں سے رخ سے حیا لے گئی
جانے تہذیب نو اور کیا لے گئی
اب بچا ہی ہے کیا آشیاں میں مرے
چند تنکے تھے وہ بھی ہوا لے گئی

زبیر الحسن غافل نے اپنے احساسات کو بڑی خوب صورتی اور ہنرمندی کے ساتھ رقم کیا ہے- یہ وہ احساسات ہیں جو انسانی دنیا کی حقائق ہیں، جس کو محسوس کر کے حساس طبیعت شاعر بے چین ہو جاتا ہے، اور اس کا باطن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اس بے ترتیب زندگی کے خلاف آواز بلند کرے- دراصل یہ انسانی فطرت اور نفسیاتی معاملہ بھی ہے، ماہرین نفسیات جانتے ہیں کہ انسانی نفسیات کس طرح سماجی اتھل پتھل سے بیدار ہوتی ہے، جو لوگ اپنے اس انسانی اور فطری عمل کو دبا کر رکھتے ہیں اور سماج و معاشرے میں روز بروز پروان چڑھ رہے غیر فطری رویہ کے خلاف اپنا ردعمل ظاہر کرتے گویا وہ انسانی اور طبعی میلانات کو کچل دیتے ہیں جو کہ فطرت کے عین خلاف ہے- انسانی فطرت یہ نہیں ہے کہ ہر سرد و گرم کو گوارا کر لیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس کے احساس کا اظہار بھی کرایا جائے- انسانی سوچ جب تک فطرت سے ہم آہنگ نہیں ہوگی تب تک انسان مسائل و مشکلات سے دوچار ہوتا رہے گا- ضروری ہے کہ انسان اپنے احساس کو زندہ کرے کیونکہ جب یہ حس مر جاتی ہے تو پھر انسان ایک لاشہ کی مانند ہو جاتا ہے، پھر سرد و گرم کا اس بے حس انسان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا- اور پھر وہ اپنے موافق اور ناموافق ہر طرح کے حالات کو گوارا کرتا چلا جاتا ہے- اور یہی انسان کی طبعی موت ہے- احساس ہی انسان کو زبان عطا کرتا ہے، ایک شاعر اسی احساس کے سہارے اپنی باطنی کیفیات کو قلم بند کرتا ہے- احساس انسان کا زیور ہے، احساس نہ ہو تو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ احساس ہی نہ ہو تو ایک بے حس انسان اور ایک حساس انسان میں آپ کیسے تمیز کریں گے؟ زندگی کی ایک سچی اور بڑی حقیقت احساس ذات و کائنات ہے- اور یہی ایک شاعر اور ادیب کا جوہر ہے- سائنس اور ٹیکنالوجی خواہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائیں لیکن ہماری شاندار ماضی کی یادوں پر خاک نہیں ڈال سکتیں، آج کے اس گلوبلائزد دنیا میں بھی ہر انسان کا ماضی اس کے سامنے ہے، وہ اپنے ماضی کے لوٹنے کا آرزومند ہے، وہ اپنے ماضی میں پھر سے جینا

چاہتا ہے اور ہر انسان اپنے ماضی کو اتنا ہی شدت سے یاد کرتا ہے جتنا اس کا ماضی روشن اور تابناک تھا- بلکہ زمانہ ہمیشہ سے گردش میں ہے اور یہ بعید نہیں کہ دنیا اپنی خرابی حالات کے بعد اپنے ماضی کی روایات پر لوٹ آئے چونکہ سائنس انسان کی صرف وقتی ضرورت ہے دائمی نہیں- اور سائنس کے ذریعہ وجود میں آنے والی اختراعات وایجادات فطرت کا تقاضا ہیں عین فطرت نہیں- دراصل مادیت نے انسان کو اپنی فطرت اور اصلیت سے کوسوں دور کر دیا ہے، جب کہ مادہ انسان کی صرف ضرورت ہے، کل نہیں ہے، جس طرح ایک شاعر اپنے باطن کی تسکین کے لیے شاعری کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شاعری ہی اس کا باطن ہے بلکہ شاعری تو اس کے باطن کے احساسات کی صرف ترجمان ہے-

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا ڈاڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیر الحسن غافل نے سماج کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرے کی ایک ایک چیز پر باریکی کے ساتھ نظر رکھتے ہیں- سماج ومعاشرے میں پھیلی بے حیائی وعریانیت، ظلم وجبر، انارکی، خودغرضی، بے مروتی، قتل وغارت گری، بیوفائی اور تہذیبی قدروں کی زبوں حالی کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے بعد شاعر نے اپنے مشاہدات ومحسوسات اور باطنی کرب کو قلم بند کیا ہے۔ ان کے یہاں طنز اور مزاح صرف تفریح طبع کی غرض سے نہیں ہے بلکہ تعمیری اور اصلاحی غرض سے برتے گئے ہیں- اس ضمن میں قطعہ کے اشعار ملاحظہ کیجے:

شیخ جی جب سے میونسپلٹی کے ممبر ہو گئے
دیکھتے ہی دیکھتے ان کا مقدر پھر گیا
ایک بھی تنکا کہیں رہنے نہ پائے اس لیے
شہر میں جھاڑو پھرا ڈاڑھی پہ ریزر پھر گیا

زبیر الحسن غافل کی خاص بات یہ کہ معاملہ چاہے سیاسی ہو یا سماجی اسے سنجیدگی کے

ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں، اور مضحک پہلوؤں میں بھی اصلاحی پہلو تلاش کر لیتے ہیں- دراصل یہ مشکل عمل ہے کہ شاعر بے خوف ہو کر سماج کے مختلف پہلوؤں کو اپنے حیطہ احساس کا حصہ بنائے- یہ وہی شاعر کر سکتا ہے جو حساس ہونے کے ساتھ زیرک بھی ہو تا کہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی مسائل کو من وعن پیش کر سکے- دلیل کے طور پر میں یہاں ان کی نظم "نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن"

کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

ہم نے سوچا تھا کہ جمہور کا مطلب ہے یہی
کوئی انسان نہ توڑے گا کبھی بھوک سے دم
عصمتیں اب نہ بکیں گی کہیں روٹی کے عوض
گیت افلاس کے چھیڑے گا نہ شاعر کا قلم
مفلسی آج بھی اگتی ہے یہاں کھیتوں میں
نام پر دھرم کے کٹ جاتے ہیں لاکھوں گردن
مخملیں فرش کہیں بچھتے ہیں ایوانوں میں
لاش انسان کی رہ جاتی ہے بے گور وکفن
آج بھی ملک میں ہر روز کروڑوں انساں
کھردرے فرش پہ سو جاتے ہیں آکاش تلے
کوئی گھر کوئی آنگن نہیں جن کی تقدیر
زندگی آج بھی ہے ایک سزا جن کے لیے
کل جو جائز تھا وہی رسم کہن آج بھی ہے
تھا جن ہاتھوں میں کبھی دیش کا دھن آج بھی ہے

زبیر الحسن غافل کی شاعری میں لفظوں کا دروبست، خیال کا تسلسل اور بیان میں پختگی ہے۔ اسلوب میں دلکشی اور زبان میں شیرینی سب کچھ موجود ہے۔ یہ نہایت ہی سنجیدہ موضوع ہے جس کو سلیقے سے برتا گیا ہے۔ غافل نے اپنے عہد کی سچائی کو ایمانداری اور خوش اسلوبی کے ساتھ

پیش کیا ہے۔لیکن کہیں بھی ظریفانہ شاعری سے سودا نہیں کیا ہے اور نہ سنجیدہ شاعری کا دامن چھوڑا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے کہ غافل نے صرف ظریفانہ شاعری سے لوگوں کا دل بہلایا ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے اچھی اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے جس میں عصری آگہی ،سماجی وملی احساس کی ترجمانی اور درد وکرب کا اظہار بھی کیا ہے۔اپنے دل کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے اور ذات کے ساتھ کائنات کا منظر نامہ بھی پیش کیا ہے۔نشاط کا نغمہ اور درد کا نوحہ بھی سنایا ہے۔روایتی،کلاسیکی اور جدت نگاری کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔مجموعی طور پر وہ عوامی شاعری کرتے ہیں اور عوام کے دکھ درد کو اپنی شاعری کا موجوع بناتے ہیں۔ایک عمدہ شاعری کے لیے عوامی جذبے کو شاعری کے قلب میں اتارنے کے ساتھ ساتھ شاعری کے زبان و بیان کا بھی خاص خیال رکھنا ضروری ہے جس میں زبیر الحسن غافل پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔

☆☆☆